بسم الله الرحمن الرحيم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِين، نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِين، أَمَّا بَعْدُ:

18-شرح العقيدة الواسطية

العقیدۃ الواسطیۃ الشیخ الاسلام الامام ابو العباس احمد ابن تیمیہ رحمہ اللہ، شرح فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح ابن عثیمین رحمہ اللہ۔

اور ہم پہنچے تھے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اس قول پر" ولا يكيفون ولا يمثلون صفاته بصفات خلقه، لأنه سبحانه لا سمي له ولا كفء له ولا ندّ له"۔

اسماء وصفات کے باب میں شیخ الاسلام رحمہ اللہ پچھلی بات کی مزید تاکید کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے تعلق سے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ جو اسماء وصفات قرآن مجید اور صحیح حدیث میں ثابت ہوئے ہیں ان پر ایمان ہے اور اس ایمان کی کچھ شرطیں ہیں جو پہلے بیان کر چکے ہیں ان شرطوں کو مزید یہاں پر بیان کیا جارہا ہے کہ بغیر تعطیل کے (بغیر انکار کے)، بغیر تحریف کے، بغیر تکییف (کیفیت) بیان کرنے کے، اور بغیر تمثیل کے۔

"ولا يكيفون" یعنی اہل سنت والجماعت جو ہیں وہ تکییف نہیں کرتے (اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں کیفیت بیان نہیں کرتے) "ولا يمثلون" (اور مثلیت بھی بیان نہیں کرتے) "صفاته بصفات خلقه" (اللہ تعالیٰ کی صفات جو ہیں مخلوق کی صفات کے ساتھ)۔ کیوں؟ "لأنه سبحانه" (کیونکہ بے شک اللہ سبحانہ وتعالیٰ) "لا سمي له ولا كفء له ولا ندّ له" (کوئی سمی نہیں یعنی کوئی اللہ تعالیٰ جیسا نہیں، اور نہ ہی کوئی اللہ تعالیٰ کے برابر ہے، اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہے یا نظیر ہے)۔ ((یہ الفاظ ملتے جلتے ہیں تھوڑا سا فرق ہے شرح میں بتاتے ہیں))۔

اس جملے کی شرح میں فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''ولا یکیفون''جو ضمیر ہے یعنی جس کی بات ہو رہی ہے یہ اہل سنت والجماعت ہے (اُن کے تعلق سے ہے) کہ کیفیت نہیں بیان کرتے اللہ تعالیٰ کی صفات کی اور نہ ہی مثلیت بیان کرتے ہیں اور پہلے گزر چکا ہے (شیخ صاحب فرماتے ہیں) کہ کسی صفت کی کیفیت جو ہے اُس کی نفی ہے (اہل سنت والجماعت جو ہیں نفی کرتے ہیں کیفیت بیان نہیں کرتے) چاہے زبان سے ہو یا دل سے ہو، یا پھر خواب و خیال سے ہو کسی صورت میں کیفیت سے کام نہیں لیتے۔ یعنی نہ تو زبان سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفات ہیں وہ کس طریقے سے ہیں یا اس کی کیفیت بیان کرتے ہیں ''کذا وکذا'' (ایسے اور ویسے)، کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہیں تو کیسے ہیں یا کس طرح ہیں یہ نہیں کرتے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے چہرے کا جب ذکر کرتے ہیں تو کیفیت بیان نہیں کرتے (کہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے تو ایسا ہے یا ویسا ہے ایسے نہیں کرتے)۔ تو نہ زبان سے کیفیت بیان کرتے ہیں اور نہ ہی دل سے یعنی تصور تک بھی نہیں کرتے کہ کیفیت کی کوئی صورت ہو سکتی ہے کیونکہ انسان یا تو زبان سے بات کرتا ہے یا دل میں کوئی اس کے خیال آتا ہے یا سوچ آتی ہے پھر بات کرتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے تعلق سے نہ دل میں کوئی خیال آنا چاہیے کہ ہاتھ تو پھر انسان اپنی زبان سے تو نہ کہے لیکن ایک سوچ میں رکھ لے کہ ہاتھ ایسا ہو گا یا ویسا ہو۔ تو نہ دل میں، نہ سوچ میں، اور نہ زبان پر کیفیت سے کام لیتے ہیں۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں اس لیے یہ جائز نہیں ہے کسی کے لیے کیونکہ کوئی شخص اگر ایسا کرتا ہے یعنی زبان سے یا دل سے کوئی چیز سوچتا ہے تو پھر یہ دونوں میں سے ایک بات لازم آتی ہے جب بھی انسان ایسا کرتا ہے کہ یا تو مثلیت بیان کرے گا یا انکار سے کام لے گا۔

یعنی اگر ہاتھ کے بارے میں آپ سوچتے ہیں کیونکہ مخلوقات کے ہاتھ ہیں اگر کوئی شخص اپنے ذہن میں سوچے کہ اچھا ہاتھ تو ہے اللہ تعالیٰ کا لیکن کیسے ہونا چاہیے کوئی خیال کرتا ہے اس کا اینڈ (end) نتیجہ کیا نکلے گا؟ یا تو انکار کرے گا یا مثلیت بیان کرنی پڑے گی مخلوق کی طرف! اس لیے جب انسان دور ہو جاتا ہے اس راستے سے اور کیفیت کے بارے میں نہ سوچتا ہے نہ بولتا ہے تو پھر اپنے آپ کو وہ اس شَر سے محفوظ کر لیتا ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں اسی وجہ سے کسی انسان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مستوی ہونے کی کیفیت جاننے کی کوشش کرے یا زبان سے کہے بلکہ کیفیت کے بارے میں سوال ہی نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی کرتا ہے۔ سوال کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ سے ثابت ہے کہ اس کے تعلق سے سوال کرنا بدعت ہے (کیفیت کے تعلق سے سوال کرنا بدعت ہے)۔ یعنی یہ مت کہو کہ اللہ تعالیٰ مستوی ہوا آسمان پر کیسے ہوا؟ آسمان سے نازل ہوتے ہیں رات کے آخری پہر میں یعنی کیسے نازل ہوتے ہیں؟ قیامت کے دن آتے ہیں کیسے آتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے تو کیسا چہرہ ہے؟ اگر آپ ایسا کریں گے تو پھر آپ بدعتی ہیں (شیخ صاحب فرماتے ہیں) کیونکہ ان سب میں کیفیت بیان ہو رہی ہے اور امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا ہے اس شخص سے جس نے یہ سوال کیا ہے "السؤال عن بدعة" (کیفیت کے تعلق سے سوال کرنا بدعت ہے)۔

اور شیخ صاحب فرماتے ہیں پہلے دلیل گزر چکی ہے کہ کیفیت بیان کرنا حرام ہے اور سمع اور عقل سے دلیل بیان کر چکے ہیں (یعنی قرآن اور سنت نصوص میں دلائل بھی بیان کیے ہیں اور عقلی دلیل بھی بیان کی ہے کہ کیفیت جو ہے وہ ممکن نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے حق میں۔

پھر "ولا يمثلون" کہ اہل سنت والجماعت جو ہیں وہ جیسا کہ کیفیت بیان نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کی صفات میں اسی طریقے سے مخلوق کے ساتھ مثلیت بھی بیان نہیں کرتے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے "من غير تمثيل" اور اس کے دلائل بھی شیخ صاحب فرماتے ہیں نصوص میں سمعاً و عقلاً بیان کر چکے ہیں (قرآن اور سنت میں دلائل اور عقلی دلائل) اور جو سمعی دلائل ہیں وہ خبر اور طلب دونوں طریقے سے دلائل بیان کر چکے ہیں جس میں تمثیل کی (یعنی مثلیت بیان کرنے کی) نفی کی گئی ہے۔

تو اہل سنت والجماعت جو ہیں وہ نہ تکییف (یعنی کیفیت) سے کام لیتے اور نہ ہی تمثیل یا مثلیت سے کام لیتے ہیں۔

"لأنه سبحانه لا سمي له"، سُبحانَ کا لفظ جو ہے (میں نے کہا ہے اس کتاب کی شرح کی یہ خوبصورتی ہے کہ اس میں پہلے لفظ کی شرح ہے پھر جملے کی شرح ہے تو ہم لفظ کی بات کر رہے ہیں "يكيفون ولا يمثلون" تکییف کی نفی کی گئی ہے، پھر "لأنه سبحانه" سُبحانَ کا لفظ کیا ہے؟ ہم بار بار پڑھتے ہیں قرآن مجید میں بھی ہے ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی

﴿بِعَبۡدِهِۦ﴾(الاسراء: 1)، یاسُبحانَ کا لفظ اکثر ہم استعمال کرتے ہیں اور ذکر معروف بھی ہے سبحان اللہ جو ہم پڑھتے ہیں اذکار مسنونہ میں تو یہ لفظ ہے کیا اصل میں ؟ سُبحانَ کا لفظ جو ہے اسم مصدر ہے (ذرا غور سے سنیں علمی بات ہے) سبح سے ''سبَّحَ، یُسبِّح، تسبیحاً''۔ مصدر تسبیح ہے، اسم مصدر مصدر نہیں ہوتا، معنی تسبیح کا ہوتا ہے لیکن تسبیح کے لفظ کے علاوہ جو مصدر کی طرف دلالت کرتا ہے اسے اسم مصدر کہتے ہیں۔

اسم مصدر کیا ہے ہم جانتے ہیں نا فعل ہوتا ہے، پھر فاعل ہوتا ہے مفعول ہوتا ہے، پھر جب تصریف کرتے ہیں فعل کی فعل ہوتا ہے، پہلے فعل ماضی ہوتا ہے پھر مضارع "سبَّحَ، یُسبِّح" پھر تیسرا مصدر بیان کرتے ہیں ہم "تسبیحاً"۔ تو تسبیح جو ہے وہ سُبحانَ کا لفظ نہیں ہے سُبحانَ اور ہے تسبیح اور لفظ ہے۔

دونوں میں فرق کیا ہے تسبیح اور سُبحانَ میں؟ سبَّحَ کیا ہے ؟ فعل ماضی ہے، یُسبِّح فعل مضارع ہے، تسبیح یا تسبیحاً مصدر ہے جو تیسری فارم (form) ہے۔

اسم مصدر کیا ہے؟ اسم مصدر یہ وہ اسم ہے جو مصدر کی طرف دلالت کرتا ہے بغیر مصدر کے لفظ کے۔

مصدر کا لفظ کیا ہے؟ تسبیح کیونکہ "سبَّحَ، یُسبِّح" فعل افعال ہیں۔

اب اسم کی بات کرتے ہیں "تسبیح" مصدر ہے اسم مصدر کیا ہے؟ جو دلالت مصدر کی طرف کرتا ہے لیکن لفظ تسبیح کا نہیں دلالت لفظ جو ہے وہ مصدر کا نہیں ہے۔ لفظ کیا ہے؟ سُبحانَ ہے جیسا کہ ''سبحان من سبح'' (سُبحانَ سبّح سے) ''کلام من کلم'' کلام: کلَّمَ یکلِّم، تکلیمًا۔ تکلیم کیا ہے؟ مصدر ہے۔ کلام اسم مصدر ہے۔

سلام کون سا لفظ ہے ہم کہتے ہیں سلام؟ سیم (Same) ہے ''سلَّمَ، یُسلِّم ، تسلیماً''۔ تسلیم مصدر ہے، سلام اسم مصدر ہے۔

اعراب کیا ہوتا ہے سُبحانَ کا؟ یا کلاماً یا سلاماً کا اعراب کیا ہوتا ہے؟ ہمیشہ مفعول مطلق ہوتا ہے اور اس کا جو عامل ہوتا ہے جس کی وجہ سے مفعول مطلق بنا ہے ہمیشہ محذوف ہوتا ہے ''محذوف دائماً'' ۔

سُبحانَ مفعول مطلق ہے۔ مفعول مطلق کے لیے فعل تو ہونا چاہیے نا اسی جنس کا تو فعل تو یہاں پر نہیں ہے۔

''سبَّحَ، یُسبِّح، تسبیحاً'' تسبیح سے سُبحان ہے تو یہ سُبحانَ کا لفظ جو ہے اس کا معنی ہے اب سبّح کا معنی کیا ہے؟

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ)، علماء کہتے ہیں کہ ''سبح: أي نزه'' (یعنی کسی چیز کی پاکیزگی بیان کرنا (تنزیہ پاکیزگی بیان کرنا))اور اس کا اصل لفظ سبّح سے ہے اور دوری سے بُعد سے لیا گیا ہے۔یعنی آپ اللہ تعالیٰ کی صفات کو ہر نقص اور عیب سے دور کر دیتے ہیں پاک کر دیتے ہیں یہ معنی ہے سبّح کا۔

اللہ تعالیٰ ہر عیب اور ہر نقص سے پاک ہے جو لفظ استعمال ہوتا ہے سبّح اور قرآن مجید میں لفظ سبّح کا بھی ہے یسبّح کا بھی ہے، تسبیح کا بھی ہے، سُبحانَ کا بھی ہے یہ لفظ سارے موجود ہیں (سبحان اللہ)۔

پھر ''لا سمي له''،اس کی دلیل شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۭ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾ (مریم:65)۔

﴿هَلْ تَعْلَمُ﴾،﴿هَلْ﴾ استفہام کے لیے ہے اور یہاں پر استفہام جو ہے وہ نفی کے استعمال کیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا کوئی سمی نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے جیسا کوئی نہیں ہے لیکن یہاں پر نفی کا لفظ نہیں ہے ''لا تعلم'' نہیں ہے بلکہ ﴿هَلْ﴾ سوال سے ہے۔

جب معنی نفی ہے تو پھر یہاں پر کوئسچن (Question) کیوں ہے سوالیہ جملہ کیوں ہے ؟ کیونکہ اس میں چیلنج (Challenge) ہوتا ہے جب سوال کرتے ہیں تو پھر چیلنج (Challenge) کرتے ہیں یعنی ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾ اس کے اندر نفی بھی ہے اور چیلنج (Challenge) بھی ہے تحدّی بھی ہے اور یہ قاعدہ یاد رکھیں کہ جب بھی استفہام جو ہے (سوالیہ جملہ جو ہے) وہ نفی کے معنی میں ہو گا تو اس میں چیلنج (Challenge) کا معنی شامل ہو گا۔

یعنی کہنے کا مطلب یہ ہے ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾ اگر آپ سچے ہیں تو پھر اللہ جیسا کوئی مجھے دکھا دے کوئی سمی دکھا دے،اور سمی کا لفظ جو ہے مماثل سے لیا گیا ہے مثلیت کی یہاں پر بھی نفی کی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جیسا یا مثلیت میں مخلوق میں سے کوئی بھی ہو۔

پھر ''ولاکفء له''،اس کی دلیل کف کی نفی کی جارہی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ (الاخلاص:4)۔((اس میں انداز بیان جو ہے بڑا خوبصورت ہے))۔

الفاظ کتنے ہیں؟(۱)﴿وَلَمْ﴾۔(۲)﴿يَكُنْ﴾۔(۳)﴿لَّهٗ﴾۔(۴)﴿كُفُوًا﴾۔(۵)﴿اَحَدٌ﴾۔

اس میں ڈبل تخصیص کی گئی ہے پتہ ہے آپ کو ذرا غور کریں یعنی اللہ تعالیٰ کی مثلیت اور کف کی ڈبل طریقے سے (دگنے طریقے سے) نفی کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جیسا کوئی ہو نہیں سکتا، کوئی ہو نہیں سکتا، کوئی ہو نہیں سکتا۔ وہ کیسے اصل جملہ دیکھیں سورۃ الاخلاص ہم بار بار پڑھتے ہیں کبھی سوچا ہے اس میں ڈبل تخصیص کیسے ہے؟

﴿لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾یہی پڑھتے ہیں نا اصل جملہ کیا ہے؟''لم يكن أحد كفواً له''۔اصل جملہ نفی کے ساتھ ''لم يكن كان يكون''۔یکن کا اسم کیا ہے؟ ہمیشہ مرفوع ہوتا ہے۔

اسم کیا ہے؟﴿اَحَدٌ﴾۔ خبر کیا ہے؟﴿كُفُوًا﴾۔پہلے اسم ہوتا ہے یا پہلے خبر ہوتی ہے؟ پہلے اسم ہوتا ہے۔تو''لم يكن أحد كفواً له'' یہ ہونا چاہیے تھا نا؟ جب بعد والی چیز جو مؤخر ہے اسے آپ آگے لے کر آتے ہیں تو اس کا معنی کس چیز کا ہوتا ہے؟ تخصیص کا معنی متعین ہو جاتا ہے کہ صرف اور صرف (تخصیص ہے)۔

جب دوسری مرتبہ بھی آپ جو متأخر ہے اسے مقدم کر دیتے ہیں پھر ڈبل تخصیص ہو گئی کہ نہیں؟ اصل جملہ کیا ہے ''ولم يكن أحد كفواً له'' ایسا ہے نا؟ تو﴿اَحَدٌ﴾سے پہلے﴿كُفُوًا﴾لے کر آیا گیا ہے کفواً پہلے اُحد بعد میں ہے نا ایسے پڑھتے ہیں نا "له" اس کے آخر میں تھا تو﴿لَّهٗ﴾دونوں سے پہلے آگیا﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾(سبحان اللہ)۔یعنی کسی بھی صورت میں اللہ تعالیٰ کی کوئی مثل ہے ہی نہیں، اللہ تعالیٰ کے جیسا نہ کوئی ہے اور نہ کبھی کوئی ہو سکتا ہے۔

چھوٹی سی سورۃ ہے﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ اُحد ایک ہے۔ نہیں سمجھ میں آیا اُحد کیسا ہے؟﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾اللہ صمد ہے مخلوق صمد ہو ہی نہیں سکتی۔ تو صمد کے لفظ میں بھی یہی چیز ہے صمد جو کسی کا محتاج نہیں ہے اور تمام مخلوق اس کی محتاج ہے۔﴿لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾لن کیوں نہیں ہے لم کیوں ہے؟"لن" "فیوچر (Future)" کے لیے استعمال

ہوتا ہے، "لم" حاضر اور پاسٹ (Past) کے لیے ہے۔ ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ جس نے اللہ تعالیٰ کا بیٹا مقرر کیا کیا فیوچر (Future) میں کریں گے یا کر چکے ہیں؟ تو پھر لن ہونا چاہیے یا لم ہونا چاہیے؟ جو کر چکے ہیں اس کی نفی کرنی چاہیے نا۔ لم جزم کے لیے استعمال ہوتا ہے جزماً، قطعاً نہیں ہے۔ دیکھیں واللہ ایک ایک لفظ کتنا خوبصورت ہے اور کس طریقے سے بیان ہوا ہے (سبحان اللہ) ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾۔

اور آخر میں ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ انتہا کر دی اس تقدیم اور تاخیر کو جو پیچھے تھا اس کو آگے کر کے (دو مرتبہ آگے کر کے پہلے کر کے) انتہا کر دی!

اس لیے دیکھیں جو ابو جہل، ابو لہب جو عرب سمجھتے تھے وہ لاجواب ہو گئے تھے! اُن کو پتہ تھا ہم غلط ہیں کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جیسا کوئی ہے نہیں سوال ہی نہیں پیدا ہوتا! ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ میں سمجھ چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق ہے ہی نہیں کسی صورت میں لیکن ہٹ دھرمی ان کو لے ڈوبی (جیسے کہتے ہیں نا) تکبر میں۔ لوگ کیا کہیں گے؟! وہ کیا کہیں گے؟! یہ کیا کہیں گے ہم محمد کی باتوں میں آ گئے؟! ہم بڑے ہیں وہ چھوٹا ہے ہٹ دھرمی نے اُن کو مار دیا ہے تکبر نے ورنہ اتنی وضاحت کے باوجود کوئی بھی سمجھدار یعنی ابو جہل کیا تھا؟ ابو الحکم تھا۔ کوئی پیدائشی پاگل تھوڑی تھا عقل نہیں کام کرتی تھی کیا؟! ابو الحکم تھا سمجھنے والا تھا لوگوں کے فیصلے کیا کرتا تھا اور عمدہ اچھے فیصلے کیا کرتا تھا اس لیے لقب دے دیا گیا اسے "ابو الحکم"۔ لیکن جب قرآن مجید کو جھٹلایا اور ایسی واضح آیات کو جھٹلایا تو ابو جہل ہے کہ نہیں جہالت کا باپ ٹھہرا کہ نہ ٹھہرا؟! دیکھیں (سبحان اللہ) جو یہ نہ سمجھ سکا ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ تو اس نے سمجھا کیا ہے پھر؟ تمہاری زبان میں نازل ہوا ہے اور تمہیں بڑا ناز ہے اپنی زبان پر اس دنیا کو چیلنج (Challenge) کرتے ہو ہمارے جیسا کوئی نہیں ہے عربی زبان میں چلو بتاؤ اس کا انکار کیوں کیا ہے؟! لاجواب ہے۔ کیا جواب ہے؟! تو دو راستے ہیں کہ ابو الحکم رہنا ہے تو ماننا پڑے گا، یا پھر ابو جہل بننا پڑے گا۔ بن گیا ابو جہل اپنی مرضی سے! کسی نے روکا ہے اسے بننے سے؟ نہیں!

اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس روئے زمین پر "أفصح الخلقه وأنصح الخلقه" (نصیحت کرنے والوں میں سے سب سے بہترین اور عمدہ اور فصاحت اور بیان کے انداز میں کوئی بھی نہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا)۔ اور اللہ تعالیٰ کا پاک کلام تلاوت کرتے ہیں صبر بھی کرتے ہیں، دیکھیں یہ آیت پڑھتے ہیں مار اپیٹا جاتا ہے گالیاں دی جاتی ہیں اس کے باوجود بھی موقف سے ہٹے نہیں ہیں انہوں نے خود ثابت کیا ہے کہ یہ جہالت کے باپ ہیں یہ لوگ یہ خود جہالت میں مرنا چاہتے ہیں مٹنا چاہتے ہیں ورنہ حق تو بالکل واضح ظاہر ہو گیا ہے (سبحان اللہ)، "ولا كفء له"۔

تیسرا ہے "ولا ندّ له" (کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی نظیر کوئی اللہ تعالیٰ جیسا نہیں)، تیسرے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرۃ:22) (یعنی جب کہ تم یہ اچھی طرح جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے جیسا کوئی نہیں ہے کوئی نظیر نہیں ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے تو پھر کیوں اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبود ٹھہراتے ہو)۔

میں نے بتایا ابو جہل جانتا ہے، ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ خوب جانتے ہیں کہ شرک جائز نہیں اللہ تعالیٰ کے حق میں، اور بُتوں کی عبادت سے شرک لازم آتا ہے برابری لازم آتی ہے، جس کو معبود بنایا گیا اسے اللہ تعالیٰ کا نِد ٹھہرا دیا ہے، چاہے زبان سے مانیں یا نہ مانیں اپنے دل میں عقیدہ بیٹھ گیا ہے۔ اور عبادات میں دعا ہے پکار ہے، نذر و نیاز ہے، قربانی ہے اور طواف دیکھیں کعبے کا طواف ہوتا تھا نا؟ کعبہ اللہ کا گھر ہے یہ تین سو ساٹھ (360) بُت کس نے رکھے تھے؟ اُن کا طواف کیوں ہوتا ہے؟ کہتے ہیں یہ بُت نہ ہوں تو طواف ہوتا نہیں ہے یہ تو اللہ کے قریب کرتے ہیں ہمیں ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ (الزمر:3)۔ بُت اٹھا دیں اللہ کی نزدیکی کیسے حاصل کریں گے ہم تو کعبہ تو پھر کسی کام کا نہیں (نعوذ باللہ)! (دیکھیں مَت ماری گئی نا جیسے کہتے ہیں)۔

﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اب اس کے بعد کیا وضاحت ہے مجھے بتائیں (سبحان اللہ)؟! نفی بھی ہے، نہی بھی ہے، سوالیہ انداز میں بھی بیان کیا گیا ہے چیلنج (Challenge) بھی کیا گیا ہے اس کے باوجود بھی دیکھیں جواب تو نہیں تھا ہٹ دھرمی کا کوئی مقابلہ ہے؟! دیکھیں ہٹ دھرمی کا کوئی مقابلہ نہیں ہے!

جو آپ کے سامنے کوئی بات نہیں ماننا چاہتا منوا سکتے ہیں؟ کوئی کہتا ہے کہ یہ رات ہے دن نہیں ہے اس وقت آپ منوا کر دکھائیں! کہتا ہے "نہیں رات ہے"۔اور یہ دیکھو سورج باہر روشنی ہے! کہتا ہے "نہیں کوئی لائٹ روشنی کہیں سے ہو گی کوئی میں نہیں مانتا ہوں"۔اس کا کیا کریں گے آپ؟! پھر اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے (سبحان اللہ)۔

پھر شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، یہ تینوں جو ہیں "السمي، والكفء، والند" معنی سب کا متقارب ہے ایک جیسا ہے۔کف جو ہے کسی چیز کو دوسری چیز کی مثلیت کے لیے بیان ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے کوئی چیز مثل نہیں ہے، اور اسی طریقے سے کف جو ہے اور نِد جو ہے اس میں برابری کا معنی پایا جاتا ہے اور سب کی نفی کر دی گئی ہے اور اس نفی سے مقصود جو ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ) کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کو ثابت کرنا اور بیان کرنا ہے۔کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی صفات میں کوئی بھی سمی نہیں ہے، کوئی بھی کف یا کوئی بھی نِد نہیں ہے تو اس سے ثابت کیا ہوا ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ ہیں۔اگر مخلوق کا ذرّے برابر بھی کوئی شائبہ ہوتا تو نقص لازم آتا کیونکہ مخلوق ناقص ہے۔

اشتراک جزوی بھی ہو یا کلی ہو کسی طریقے سے اشتراک تو اشتراک ہی ہوتا ہے، برابری یا مثلیت کہیں پر ذرّے برابر بھی ہوتا نا تو پھر کمال باقی نہ رہتا نقص لازم آتا اور اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ ہیں اس لیے کسی صورت میں بھی نہ کیفیت بیان ہو سکتی ہے نہ مثلیت بیان ہو سکتی ہے، نہ کف ہے اور نہ ہی نِد ہے۔

پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "ولا يقاس بخلقه سبحانه وتعالى" (اور اللہ تعالیٰ کا قیاس مخلوق سے نہیں کیا جاتا)۔

قیاس کی بات کرتے ہیں چند اہم باتیں ہیں قیاس کے تعلق سے۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں (ذرا غور کریں علمی باتیں ہیں) قیاس کی تین قسمیں ہیں (۱) قیاس شمول۔(۲) قیاس تمثیل۔(۳) قیاس أولویۃ (یا قیاس اولیٰ بھی کہتے ہیں)۔

اللہ تعالیٰ کے حق میں دو قسم کے قیاس کی نفی ہے "تمثیل اور قیاس شمول" نہ تو قیاس تمثیل مخلوق سے کیا جاتا ہے نہ قیاس شمول۔

یہ دونوں چیزیں کیا ہیں؟(قیاس اُولویۃ بعد میں بیان کرتے ہیں)سب سے پہلی جو قسم ہے قیاس کی قیاس شمول جسے عام الشامل بھی کہا جاتا ہے یعنی اس عام میں سے کوئی فرد جو ہے اس عام کا اس میں سے کسی صورت کی کوئی مثلیت باقی رہ جائے۔

یعنی مثال کے طور پر ''حیاۃ''(زندگی)۔ مخلوقات زندہ ہیں کہ نہیں؟ جو زندہ مخلوقات ہیں انسان ہے، درند ہے پرند ہے سب مخلوقات زندہ ہیں، جن ہیں فرشتے سب مخلوقات ہیں زندہ ہیں۔ خالق زندہ ہے کہ نہیں؟ اب یہ کیا ہے؟ یہ شمول ہے سب میں ایک صفت پائی گئی ہے زندگی کی اس میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کیونکہ مخلوق بھی زندہ ہے اور خالق بھی زندہ ہے تو اس میں قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زندگی جو ہے مخلوق کی زندگی جیسی ہے، یہ قیاس شمول ہے اس کی نفی ہے سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

تفصیل آگے بیان کریں گے لیکن یہ سمجھ لیں کہ قیاس شمول ہوتا کیا ہے کہ ایک صفت جب مشترک ہوتی ہے مختلف چیزوں میں اس ایک صفت کے اشتراک سے برابری مثلیت لازم آتی ہے لازمی نہیں ہے۔

زندگی ایک ہی صفت ہے، نہیں! بلی بھی زندہ ہے، چوہا بھی زندہ ہے، انسان بھی زندہ ہے سب زندگی برابر ہے کیا ایک جیسی ہے؟ مخلوق میں متفاوت ہے تو خالق مخلوق میں کیوں نہیں ہونا چاہیے؟! خالق کا زیادہ حق ہے۔ تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے "الحیی القیوم" حیی کون ہے زندہ ہے کہ نہیں؟ تو پھر کیا اگر ہم اس زندگی کو ثابت کرنا چاہیں جو مخلوق میں ہے اور اگر خالق کے لیے بھی ثابت کرنا چاہتے ہیں تو مثلیت لازم آئے گی کیا اور کہیں گے یہ قیاس شمول ہے؟!

قیاس شمول مخلوقات میں تو ہے لیکن خالق کو مخلوق میں قیاس شمول ناممکن ہے۔ تفصیل آگے بیان کریں گے کیونکہ آپ کو پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زندگی ہمیشہ ہے۔ مخلوق کی زندگی کیا ہے؟ پہلے عدم تھی مردہ تھا نا پہلے، پھر زندگی، پھر زندگی میں نقص ہوئی پھر موت واقع ہوئی۔ خالق کی زندگی ہمیشہ سے ہے تو پھر قیاس کہاں پر ہے قیاس میں دو کو برابر کرنے کی بات ہوتی ہے نا! یہ قیاس شمول ہے۔

قیاس تمثیل کہ جو خالق کے لیے ہے وہ مخلوق کے لیے ثابت کر دیں۔ یعنی جو عام معنی ہے قیاس کا کہ ایک اصل ہے اور ایک فرع ہے اور علّت ہے وہ علّت جو اصل میں اگر فرع میں پائی جائے تو دونوں کا حکم ایک ثابت ہو جاتا ہے۔ اب خالق

اور مخلوق میں کتنی صفات ہیں ؟ وجود کو دیکھ لیں آپ اللہ موجود ہے نا مخلوق بھی موجود ہے کیا مثلیت لازم آتی ہے ؟ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا وجود کیا ہے ؟ واجب الوجود ہے۔ مخلوق کا وجود ممکن الوجود ہے یہ قیاس مثلیت نہیں ہو سکتی۔

قیاس شمول کیا ہے ؟ کہ ایک صفت جو قدر مشترک ہے سب میں اس کی ایک وجہ کو قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ جب یہ ہے تو پھر باقی چیزیں بھی ہوں گی اس طریقے سے، نہیں !

اس میں کیا ہے قیاس تمثیل میں ؟ کہ مثلیت بیان کرنا ہے کسی صورت میں بھی کسی چیز میں بھی (ایک نہیں کسی میں بھی، دو میں، چار میں، دس میں، بیس میں کسی میں بھی) جہاں پر اشتراک ہو کسی معنی میں۔

تو یہ دونوں جو ہیں اللہ تعالیٰ کے حق میں جائز نہیں ہیں۔

تیسرا جو ہے قیاس أولویۃ (اس میں ذرا غور سے سنیں علمی بات ہے اور بعض لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں) کہ جو فرع ہے وہ اصل سے زیادہ حق رکھتا ہے " هو أن يكون الفرع أولى بالحكم من الأصل " (حکم کا حق رکھنا فرع میں اصل سے زیادہ ہے (ہمیشہ اصل پہلے ہوتا ہے نا فرع بعد میں ہوتا ہے))۔ اس لیے علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ﴾ (النحل:60) (اللہ تعالیٰ کے لیے مثل أعلیٰ ہے)۔ یعنی جو بھی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں تمام صفات کمال ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جو صفات ہیں وہ سب سے بلند درجے پر ہیں، یعنی سمع، علم، قدرۃ، زندگی، حکمت یا اس جیسی جو بھی صفات جو مخلوقات میں بھی موجود ہیں اللہ تعالیٰ کی یہ صفات سب سے افضل اور سب سے بلند ہیں۔

مخلوق سنتی ہے کہ نہیں ؟ سنتی ہے سمیع ہے نا۔ اللہ تعالیٰ سمیع ہے کہ نہیں ؟ اب مخلوق بھی سنتی ہے خالق بھی سنتا ہے اللہ تعالیٰ زیادہ حق رکھتا ہے سننے کا مخلوق سے۔ کیوں ؟ کیونکہ ہمیشہ سے سنتا ہے۔ مخلوق عدم تھی وجود میں آئی اور پھر بہری ہو سکتی ہے کہ نہیں ؟ انسان بہرے ہوتے ہیں کہ نہیں ہوتے ؟ عیب ہوتا ہے کہ نہیں ؟ ہوتا ہے کئی لوگوں میں ہوتا ہے۔ پھر کمزوری ہو جاتی ہے کہ نہیں ؟ عمر کے ساتھ ساتھ آپ دیکھتے ہیں کہ ڈیوائسز (Devices) لگی ہوتی ہیں سننے کے لیے تو نقص ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی جو صفت ہے سمع کی ہمیشہ کامل ہے نہ تو کبھی عدم تھی نہ کبھی نقص تھا نہ کبھی نقص ہو سکتا ہے، ہمیشہ سے ہے ہمیشہ ہے (سبحان اللہ)۔

اور بعض علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ جو صفت کمال مخلوق میں موجود ہے جس میں نقص کسی صورت میں بھی نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق رکھتا ہے (صفت کمال ہے نقص نہیں ہے کسی صورت میں نقص نہیں ہے)، کیونکہ انسان میں بھوک کا لگنا کمال ہے لیکن اصل میں نقص ہے تو اس نقص میں کمال ہے۔ جو صفت ہے ہے کمال ہر اعتبار سے نقص کسی صورت میں بھی نہیں ہے اللہ تعالیٰ زیادہ حق رکھتا ہے۔

"دیکھنا" ایک اندھا ہے ایک بینا ہے صفت کمال کس کے پاس ہے اندھے کے پاس ہے یا بینا کے پاس ہے جس کی نظر کمزور ہے؟ بینا کے پاس جو دیکھتا ہے، نابینا نہیں جو کمزور ہے۔ تو اللہ تعالیٰ زیادہ حق رکھتا ہے کہ سب سے اچھا دیکھنے والا ہے۔

یعنی یہ جو قاعدہ ہے یہ اس کے لیے ہے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کے حق میں اس صفت کی دلیل ہونی چاہیے اسے کہتے ہیں قیاس أولویۃ۔

خالق ہے صفت علو ہے بلند ہے صفت کمال ہے مخلوق میں بھی ہے، اللہ تعالیٰ زیادہ حق رکھتا ہے۔

اسی طریقے سے قاعدہ یہ ہے "فإذا كان صفة كمال في المخلوق، فهو في الخالق من باب أولى وهذا دائماً نجده في كلام العلماء" اور یہ اکثر علماء کے کلام میں ہم سنتے ہیں تو اصل معنی یہ ہوتا ہے۔

تو شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے جب نفی کی ہے ان صفات کی "ولا يقاس بخلقه سبحانه وتعالىٰ" تو اس سے مراد قیاس شمول اور قیاس تمثیل ہے۔

یہاں تک اتنا کافی ہے ابھی یہ مقدمہ بیان کر رہے ہیں اگلے درس سے ان شاء اللہ مقدمے کا اگلا حصہ جو ہے وہاں سے بات شروع کریں گے (واللہ أعلم)۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضیٰ بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (18.العقیدۃ الواسطیۃ) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست نہیں کیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔